© rasailojaraid.com

سیّد اسعد گیلانی

قائداعظم، پاکستان اور اِس کے حکمران

[سیّد اسعد گیلانی کی زیر نظر تحریر جناب محمد اکرام قریشی نے احیائے دین لائبریری - سیالکوٹ کی طرف سے شائع کی ہے۔ اس کا پہلا حصہ گیلانی مرحوم کے ایک مقالے سے ماخوذ ہے جو روزنامہ "نوائے وقت" (لاہور) میں ۱۴ اگست ۱۹۹۱ء کو شائع ہوا تھا۔ دوسرا حصہ ہفت روزہ "ایشیا" (لاہور) بابت ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۲ء میں ان کے شائع شدہ مقالے سے اخذ کیا گیا ہے۔ مدیر]

(۱)

قائداعظم نے ہندوستان کی مسلمان ملت کے ملی تشخص کے لیے جو سیاسی جدوجہد کی، اس کی بنیاد اور دلیل یہی تھی کہ وہ مسلم ملت کے لیے ایک اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے اور ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک جداگانہ قوم ہونے کی حیثیت سے اپنی جداگانہ ریاست حق خودارادیت کی بناء پر قائم کرنے کا حق حاصل تھا۔

لیکن قائداعظم جب سے ہندوستانی سیاست میں داخل ہوئے تھے، اولیں روز سے وہ اس مقصد کے لیے کوشش نہیں کرتے رہے تھے، وہ بتدریج مطالعہ اور تجربات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے تھے۔ اس کے باوجود کہ وہ جدید علوم کے آدمی اور جدید دور کی وقتی سیاست سے آگاہ انسان تھے، لیکن ان کے مطالعہ نے انہیں اس بات پر مطمئن کر دیا تھا کہ مسلمان ملت کے لیے اپنی جداگانہ تہذیب و تمدن اور ثقافت کا مظاہرہ اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک وہ زندگی کے تمام اُمور میں اپنے سیاہ و سفید کے خود مالک اور کامل آزادی سے بہرہ ور نہ ہوں۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ نے وہاں کی اقوام میں وطن پرستی اور وطن پرستی پر مبنی جمہوریت رائج کی۔ یہ جمہوریت سیکولرزم یعنی دینی تصورات سے بے نیاز طرزِ زندگی پر مبنی تھی۔ سیکولر جمہوریت پروگرام اصول کی روشنی میں عام آدمی کی رائے تبدیل کر کے اکثریت کو اقلیت اور اقلیت کو اکثریت بناتی رہتی ہے، چنانچہ اس تصور مغربی جمہوریت کو پناہ بنا کر انگریزوں نے ہندوستان میں بھی سیاست کو جاری کیا اور اس کی روشنی میں انڈین نیشنل کانگرس وجود میں آئی جو خود بخود ملک کے حریت پسند سیاست دانوں کا پلیٹ فارم بن گئی، چنانچہ قائداعظم بھی اپنی تربیّت، تعلیم اور ہندوستان کی آزادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے علمبردار اور جمہوریت پسند ہونے کی حیثیت سے ابتداء میں کانگرس سے ہی وابستہ تھے، لیکن کانگرس میں ہندو اکثریت کے طرزِ عمل نے ان کی آنکھیں کھول دیں، اور اُنہوں نے محسوس کیا کہ ہندوستان میں یورپ کی فضا نہیں ہے۔ یہ معاشرہ تصورات اور پروگراموں کی بناء پر ووٹ بدل کر اکثریت کو اقلیت اور اقلیت کو اکثریت بنانے کی صلاحیّت سے قاصر ہے۔ یہاں مغربی سیکولر جمہوریت کا تجربہ ایک تنگ نظر ہندو مذہبی اکثریت کو ہمیشہ کے لیے اکثریت اور غلبہ عطا کر دے گا، جس میں اقلیت ہمیشہ اقلیت اور تباہ حال ہو گی۔ اس احساس سے مجبور ہو کر وہ ہندوستان چھوڑ گئے اور اس کی سیاست سے بددل ہو کر انگلستان چلے گئے۔ ان کے سامنے اس وقت تک دوسرا کوئی راستہ نہ تھا۔

وہاں اُنہوں نے اسلام اور اس کے تصوّرِ سیاست کا مطالعہ کیا تو اُنہوں نے اندازہ کیا کہ رسول اکرم ﷺ کا لایا ہوا تصوّرِ قانون کس درجہ مخلصانہ، بے لاگ اور عدل پر مبنی تھا۔ اُنہوں نے سیرت رسول اللہ ﷺ کا مطالعہ کیا اور اُنہیں محسوس ہوا کہ وہ دنیا کے سب سے بڑے انسان اور ایک اسلامی ریاست کے بانی تھے۔ چنانچہ اس مطالعہ کے بعد ان کے خیالات اسلامی تصوّرِ مملکت اور اسلامی تصوّرِ قانون کے بارے میں واضح تر ہوتے چلے گئے۔

اسی دوران ان سے علامہ اقبال نے خط و کتابت کی اور ان کے سامنے اسلام کا تصوّرِ ریاست رکھا۔ ہندوستان میں مسلم ملّت کے مسائل کا واحد حل اسلامی ریاست کو قرار دیا اور ساتھ ہی انہیں مجبور کیا کہ وہ ہندوستان واپس آ کر اس مظلوم اور بے سہارا ملت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیں۔ چنانچہ جب وہ انگلستان سے واپس ہندوستان آئے تو وہ ایک بدلے ہوئے انسان تھے جن پر ان کا نصب العین مکمل طور پر واضح تھا، یعنی ایک اسلامی ریاست کا قیام۔ اس مقصد کے لیے ہندوستان میں مسلم ملت کی اکثریت کے علاقے اس کا بہترین رقبہ تھے اور ایک اسلامی ریاست کی بنیاد پہلے سے موجود تھی۔ علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں شمال مغربی ہندوستان میں موجود تھا، آبادی موجود تھی، اس طرح فطری طور پر ایک جمہوری حکومت مسلمانوں کی ہی تشکیل پاتی تھی۔ بس ایک آزادی یعنی حاکمیت کی ضرورت تھی اور اس کے لیے جدوجہد درکار تھی۔ چنانچہ اُنہوں نے انگلستان سے واپسی کے بعد ایک اسلامی ریاست (جسے وہ پاکستان کہتے تھے) کے قیام کی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ وہ سیکولر جمہوریت کے تصورات کے تحت ہندو اور مسلم گروہوں کو ایک ہی قوم کے دو گروہ تسلیم نہیں کرتے تھے، بلکہ ان دونوں گروہوں کے جداگانہ قومیں ہونے کی مدعی تھی۔ فرماتے ہیں:

> ہم اس کے قائل ہیں اور ہمارا دعویٰ ہے کہ مسلمان اور ہندو دو بڑی قومیں ہیں جو قوم کی ہر نوعیت اور معیار پر پورا اترتی ہیں۔ ہم دس کروڑ کی ایک قوم ہیں۔ مزید برآں ہم ایک ایسی قوم ہیں جو ایک مخصوص اور ممتاز تہذیب و تمدّن، زبان و ادب، آرٹ اور فن، تمیز، احساس، اقدار و تناسب، قانونی احکام و اخلاقی ضوابط، رسم و رواج اور تقویم (کیلنڈر)، تاریخ اور روایات، رجحانات اور عزائم کی مالک ہے۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ زندگی اور اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعلقات کے بارے میں ہمارا اپنا ایک امتیازی زاویہ نگاہ ہے اور قانون بین الاقوامی کی ہر دفعہ کے لحاظ سے ہم ایک قوم ہیں۔ (بحوالہ خط وکتابت قائد اعظم اور گاندھی --- مکتوب ۲۴ ستمبر ۱۹۴۴ء، مرتبہ جمیل الدین احمد)

پھر جب پاکستان کی جدوجہد کے لیے ایک تحریک چل پڑی تو انہوں نے اس تحریک کے مختلف مراحل میں اپنے تصورات کا اظہار کیا۔

ہم مسلمان پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں، جہاں ہم خود اپنے ضابطۂ حیات، اپنے تہذیبی ارتقاء، اپنی روایات اور اسلامی قانون کے مطابق حکمرانی کر سکیں۔" (حوالہ مذکورہ، صفحہ ۴۳۷، ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء فرنٹیئر مسلم لیگ کانفرنس)

پھر اسی کانفرنس میں ۲۴ نومبر کو تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

ہمارا دین، ہماری تہذیب اور ہمارے اسلامی تصورات وہ اصل طاقت ہیں جو ہمیں آزادی حاصل کرنے کے لیے متحرک کرتے ہیں۔ (حوالہ مذکورہ، صفحہ ۴۲۲)

ایک اور موقعہ پر طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

مسلم لیگ ہندوستان کے ان حصوں میں آزاد ریاستوں کے قیام کی علمبردار ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، تاکہ وہاں وہ اسلامی قانون کے مطابق حکومت کر سکیں۔ (حوالہ مذکورہ، صفحہ ۴۴۶)

۲۹ جون ۱۹۴۷ء کو سرحد کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے بیان دیا۔

خان برادران نے اپنے بیانات اور اخباری ملاقاتوں میں ایک اور زہر آلود شوشہ چھوڑا ہے کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی شریعت کے بنیادی اصولوں اور قرآنی قوانین سے انحراف کرے گی۔ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے۔ (ڈان، ۳۰ جون ۱۹۴۷ء)

کراچی بار ایسوسی ایشن کی طرف سے دی گئی دعوت میں تقریر کرتے ہوئے قائد اعظم نے فرمایا۔ "میرے لیے وہ گروہ ناقابل فہم ہے جو شرارت سے یہ پروپیگنڈا کرتا ہے کہ پاکستان میں دستور شریعت کی بنا پر نہیں بنے گا۔" (پاکستان ٹائمز، ۲۷ جنوری ۱۹۴۸ء) غرض قائد اعظم پاکستان کے اسلامی ریاست ہونے کے بارے میں بہت واضح اور پرعزم تھے۔ انہوں نے ساری تحریک پاکستان، اسلامی ریاست کے قیام کے لیے ہی چلائی اور ہندوستان کی مسلم ملت نے اسی خیال سے تحریک پاکستان کا ساتھ دیا کہ یہ ملک ایک اسلامی ریاست بنایا جائے گا۔ اگر وہ مارچ ۱۹۴۰ء میں یہ کہتے کہ پاکستان ہم لادینی نظریات کے فروغ کے لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں اور پاکستان سے مراد اسلامی ریاست نہیں تو یہ قطعاً ممکن نہ تھا کہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان اتنی یکسوئی کے ساتھ ایک متحدہ پلیٹ فارم پر جمع ہو سکتے۔ اسلامی ریاست اور اس میں اسلامی نظام کا خواب مسلمان ملت کا صدیوں کا خواب ہے اور وہ جس جگہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جس خطہ میں بھی نمودار ہو، مسلمانوں کی محبت و عقیدت کا مرکز وہی خطہ بن جاتا ہے۔ وہ ملک پاکستان ہو یا خطہ ایران ہو۔

(۲)

اسلامی ریاست میں حکمرانوں کے اوصاف

سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۸۰ میں اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی تعلیم فرمائی "اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے" یعنی یا تو مجھے خود اقتدار عطا کر یا کسی حکومت کو میرا مددگار بنا دے، تاکہ اس کی طاقت سے میں دنیا کے اس بگاڑ کو درست کر سکوں، فواحش اور معاصی کے اس سیلاب کو روک سکوں اور تیرے قانون عدل کو جاری کر سکوں۔ اس کی تائید نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث شریف کرتی ہے۔ "اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سدِّ باب کر دیتا ہے جس کا سدّ باب قرآن سے نہیں کرتا۔" اس سے معلوم ہوا کہ اسلام دنیا میں جو اصلاح چاہتا ہے وہ صرف وعظ و تذکیر سے نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کو عمل میں لانے کے لیے سیاسی طاقت بھی درکار ہے۔ پھر جب کہ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خود سکھائی ہے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ اقامت دین اور نفاذ شریعت اور اجرائے حدود کے لیے حکومت چاہنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز بلکہ مطلوب و مندوب ہے اور وہ لوگ غلطی پر ہیں جو اسے دنیا پرستی [قرار دیتے ہیں۔] دنیا پرستی اگر ہے تو یہ کہ کوئی شخص اپنے لیے حکومت کا طالب ہو۔ یہ دنیا پرستی نہیں بلکہ خدا پرستی ہی کا عین تقاضا ہے۔ اگر جہاد کے لیے تلوار کا طالب ہونا گناہ نہیں ہے تو اجراء احکام شریعت کے لیے سیاسی اقتدار کا طالب ہونا آخر کیسے گناہ ہو جائے گا۔ اور حدیث شریف میں مذکور ہے کہ "امام عادل کی دعا مقبول ہوتی ہے۔" پاکستان یا دیگر مسلمان ممالک میں اسلامی شریعت کے نفاذ یا اسلامی نظام کے قیام کے لیے بعض افراد یا جماعتوں کی طرف سے جو کوشش یا مہم جاری ہے وہ اسی مفہوم کے تحت ہے جو برحق ہے۔

۱۔ خواہشِ نفس کے بجائے عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنا

سورہ ص آیت نمبر ۲۶ میں خدا تعالیٰ کا یہ فرمان حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے۔ "اے داؤد علیہ السلام، ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کرنا اور خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تجھے اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲- مشاورت اور انفاق فی سبیل اللہ کا نظام قائم کرنا

سورہ الشوریٰ آیت نمبر ۳۸ میں ارشاد ہوا۔ "جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں، ہم نے جو کچھ بھی رزق انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"
سورۃ الحج آیت نمبر ۴۱ میں ارشاد ہوا۔ "یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے۔" اللہ تعالیٰ کی مدد، اس کی تائید و نصرت کے مستحق لوگوں کی صفات یہ ہیں کہ اگر دنیا میں انہیں حکومت و فرمان روائی بخشی جائے تو ان کا ذاتی کردار فسق و فجور اور تکبر و غرور کے بجائے اقامت صلوٰۃ ہو، ان کی دولت عیاشیوں اور نفس پرستیوں کے بجائے ایتائے زکوٰۃ میں صرف ہو، ان کی حکومت نیکی کو دبانے کے بجائے اسے فروغ دینے کی خدمت انجام دے اور ان کی طاقت بدیوں کو پھیلانے کے بجائے ان کو دبانے میں استعمال ہو۔ اور اقتصادی پالیسی سود اور ٹیکسوں پر نہیں، بلکہ زکوٰۃ کے نظام پر مبنی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ان آیات میں اسلامی حکومت کے نصب العین اور فرمان رواؤں کے اوصاف کا جوہر نکال کر رکھ دیا گیا ہے۔ اور "رات کے طویل اوقات میں اس کی تسبیح کرتے رہو" اور دیگر اوصاف میں سے صبر، کسی وجہ سے رک کر تبلیغِ حق سے باز نہ آنا، ذکر اللہ، نماز اور خصوصاً "تہجد کی نماز سے استقامت حاصل کرنا شامل ہے۔" (البقرہ آیت نمبر ۴۵)

۳- غرور و تکبر سے پرہیز

سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "زمین پر اکڑ کر نہ چلو، تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو، نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ جباروں اور متکبروں کی روش سے بچو، یہ ہدایت بھی انفرادی طرزِ عمل اور قومی رویے دونوں پر یکساں حاوی ہے اور یہ اسی ہدایت کا فیض تھا کہ مدینہ منوّرہ میں جو حکومت اس منشور پر قائم ہوئی، اس کے فرماں رواؤں، گورنروں اور سپہ سالاروں کی زندگی میں جباری اور کبریائی کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا تھا، حتیٰ کہ عین حالتِ جنگ میں بھی کبھی ان کی زبان سے فخر و غرور کی کوئی بات نہ نکلی، ان کی نشست و برخاست، چال ڈھال، لباس، مکان، سواری اور عام برتاؤ میں انکسار و تواضع بلکہ فقیری و درویشی کی شان پائی جاتی تھی اور جب وہ فاتح کی حیثیت سے کسی شہر میں داخل ہوتے تھے، اس وقت بھی اکڑ اور تبختر سے کبھی اپنا رعب بٹھانے کی کوشش نہ کرتے تھے۔ ایک حدیث شریف میں ہے۔ "دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت چاہو اور جب ان سے مقابلہ ٹھن جائے تو ثابت قدم رہو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ "اس سے معلوم ہوا کہ دشمن سے نبرد آزما ہونے کی تمنا کرنا اور اس کے لیے شیخی بگھارنا پسندیدہ نہیں ہے۔ ہاں! اگر دشمن خود ہی آمادۂ پیکار ہو تو پھر پوری جواں مردی سے ڈٹ جانا چاہیے۔

اسلامی حکومت کے فرائض

۱۔ ظلم و ستم کا خاتمہ اور عدل و انصاف کا قیام

سورۃ الحدید آیت نمبر ۲۵ میں فرمایا گیا۔ "ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایت کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور قرآن نازل کیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔" انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جس مقصد کے لیے بھیجا گیا، وہ یہ تھا کہ دنیا میں انسان کا رویّہ اور انسانی زندگی کا نظام فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر عدل پر قائم ہو، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہو، معاشرے میں کوئی ظلم باقی نہ ہو، تمدّن و تہذیب کا ہر پہلو افراط و تفریط سے محفوظ ہو، حیاتِ اجتماعی کے شعبوں میں صحیح صحیح توازن قائم ہو۔

۲۔ دولت پر مالداروں کی اجارہ داری ختم کر کے دولت کا بہاؤ غریبوں کی طرف ہو۔

سورۃ الحشر آیت نمبر ۷ میں فرمایا۔ "جو کچھ بھی اللہ ان بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول ﷺ کی طرف پلٹا دے، وہ اللہ اور رسول ﷺ اور رشتہ داروں، یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ تمھارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔" پھر آیت نمبر ۸ میں فرمایا "نیز وہ مال، ان غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کیے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں۔" یہ حصّے مالِ غنیمت میں سے نہیں، بلکہ اس مال میں رکھے ہیں جو بغیر کسی جنگی کارروائی کے حاصل کیے جائیں، یعنی [یہ آیت] فے یا جنگ کے بعد کے موقع پر اموال غنیمت کے علاوہ منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کی تقسیم کے بارے میں ہے، یہ ایک بڑا حصّہ ہے غریبوں کا۔ مستقل زکوٰۃ، صدقات، خیرات، انفاق اور خود مالِ غنیمت میں سے خمس بھی اسی مقصد کے لیے ہے۔ مختلف قسم کے کفاروں کا بھی اس میں حصّہ شامل ہے۔ میراث کی صورت میں مال ایک سے بڑھ کر کئی دوسروں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

۳۔ محکوم مسلمانوں کی مدد

سورۃ الانفال آیت نمبر ۷۲ میں فرمایا۔ "ہاں اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے، لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت میں دارالاسلام سے باہر کے مسلمانوں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اگر کہیں ان پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ اسلامی برادری کے تعلق کی بناء پر دارالاسلام کی حکومت اور اس کے باشندوں سے مدد مانگیں تو ان کا فرض ہے کہ اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کریں، لیکن ان کی مدد کا فریضہ اندھا دھند انجام نہیں دیا جائے گا، بلکہ بین الاقوامی ذمہ داریوں اور اخلاقی حدود کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے انجام دیا جائے گا۔ اگر ظلم کرنے والی قوم سے دارالاسلام کے معاہدانہ تعلقات ہوں تو اس صورت میں مظلوم مسلمانوں کی کوئی مدد نہیں کی جاسکے گی، جو ان تعلقات کی اخلاقی ذمہ داریوں کے خلاف پڑتی ہو۔ البتہ دارالاسلام کے معاہدات کی پابندیاں صرف ان مسلمانوں پر عائد ہوں گی جو اس حکومت کے دائرہ عمل میں رہتے ہوں۔ اس دائرے سے باہر کے باقی مسلمان کسی طرح ذمہ داریوں میں شریک نہ ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ صلح حدیبیہ کی بناء پر کوئی پابندی حضرت ابو بصیرؓ اور ابو جندلؓ اور ان دوسرے مسلمانوں پر عائد نہیں ہوئی جو دارالاسلام کی رعایا نہ تھا۔

۴۔ معاشرے کو مختلف غلاظتوں اور بیماریوں سے پاک کرنا۔

سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۲ میں زنا کی روک تھام کے سلسلے میں فرمایا۔ "زنا کے قریب نہ پھٹکو وہ بہت برا فعل ہے اور برا ہی راستہ ہے۔" انفرادی طور پر زنا سے منع ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ زنا کے مقدمات اور ان ابتدائی محرکات سے بھی دور رہے جو اس راستے کی طرف لے جاتے ہیں اور اجتماعی طور پر زنا اور محرکات زنا اور اسبابِ زنا کا سدّ باب کرے اور اس غرض کے لیے قانون سے، تعلیم و تربیّت سے، اجتماعی ماحول کی اصلاح سے، معاشرتی زندگی کی مناسب تشکیل سے اور دوسری مؤثر تدابیر سے کام لے۔ یہ دفعہ اسلامی نظام زندگی کے ایک وسیع باب کی بنیاد ہے۔ جس کے مطابق زنا اور تہمتِ زنا کو فوجداری جرم قرار دیا گیا۔ پردے کے احکامات، فواحش کی روک تھام، شراب، موسیقی اور رقص اور تصاویر (جو زنا کے قریب ترین رشتہ دار ہیں) پر پابندیاں لگائی گئیں اور ایسا ازدواجی قانون بنایا گیا جس سے نکاح آسان ہو گیا اور زنا کے معاشرتی اسباب کی جڑ کٹ گئی۔

۵۔ تعلیمی پالیسی کی خصوصیات

تعلیم کا مقصد لوگوں میں دین کی سمجھ یعنی تفقہ پیدا کرنا ہو۔ محض خواندہ بنانا اور کتاب خوانی کی نوعیت کا علم پھیلانا نہ ہو۔ سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۲۲ میں فرمایا۔ "اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے، مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصے میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے۔" یہ ہے مسلمانوں کی تعلیم کا مقصد، اگر ایک شخص اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت کا مفکر، ادیب اور علامہ بن جائے، لیکن دین کے فہم سے عاری اور غیر مسلمان رویہ رکھتا ہو، زندگی میں بھٹکا ہوا ہو تو اسلام ایسی تعلیم پر لعنت بھیجتا ہے۔ تفقہ فی الدین سے مراد صرف فقہ کا علم حاصل کرنا نہیں ہے، لیکن مجموعی طور پر علم دین یا علوم کا دینی نقطہ نظر معلوم کرنا ہے۔

۶۔ معاشرتی اور معاشی پالیسی کی خصوصیات

سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۶ تا نمبر ۲۸ میں فرمایا گیا۔ "رشتہ داروں کو ان کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق۔ فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اگر ان سے (حاجت مند رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں سے) تمھیں کترانا ہو، اس بناء پر کہ ابھی تم اللہ کی اس رحمت کو جس کے تم امیدوار ہو تلاش کر رہے ہو تو انہیں نرم جواب دے دو۔" ان آیات کا منشاء یہ ہے کہ آدمی اپنی کمائی اور اپنی دولت کو صرف اپنے لیے ہی مخصوص نہ رکھے، بلکہ اپنی ضروریات اور دوسرے حاجت مندوں کے حقوق بھی ادا کرے۔ یہ دفعات صرف انفرادی اخلاق کی تعلیم ہی نہیں دیتیں، بلکہ اسلامی حکومت کے واجبات میں بھی شامل ہے کہ صدقاتِ نافلہ، وصیّت، وراثت اور وقف کے ذریعے سے یتیموں اور مسافروں کی تین دن کی ضیافت کا انتظام کرے۔ اور سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۵ میں فرمایا۔ "پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو۔" اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی حکومت کا فرض یہ بھی ہے کہ وہ منڈیوں اور بازاروں میں تطفیف کو بزور بند کر دے، پھر اسی سے یہ وسیع اصول اخذ کیا گیا کہ تجارت اور معاشی لین دین میں ہر قسم کی بے ایمانیوں اور حقوق تلفیوں کا سدِ باب کرنا حکومت کے فرائض میں سے ہے۔

۷۔ بلا تحقیق کسی کے خلاف کارروائی نہ ہو۔

سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۶ میں ہے۔ "تم کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے۔" اس کا منشاء یہ ہے کہ لوگ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں وہم و گمان کے بجائے علم کی پیروی کریں، اسلامی معاشرے میں اسی منشاء کی ترجمانی وسیع پیمانے پر اخلاق میں، قانون میں، سیاست اور انتظامِ ملکی میں، علوم و فنون اور نظام تعلیم میں غرض ہر شعبہ حیات میں کی گئی، بلا تحقیق کوئی الزام نہیں لگانا چاہیے۔ محض شبہے پر کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوگی۔ تفتیشِ جرائم میں یہ قاعدہ مقرر کیا گیا کہ گمان پر کسی کو پکڑنا اور مارپیٹ کر حوالات میں دے دینا قطعی ناجائز ہے۔ غیر قوم کے خلاف کوئی بڑا اقدام تحقیق کے بغیر نہیں اٹھانا چاہیے۔ اسی طرح عقائد میں اوہام پرستی کی جڑ کاٹ دی گئی کہ صرف ان چیزوں کو ماننا چاہیے جو خدا اور رسول ﷺ کے دیئے ہوئے علم کی رو سے ثابت ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸- جاسوسی منع ہے۔

سورۃ الحجرات آیت نمبر ۱۲ میں فرمایا۔ "تم تجسس نہ کرو۔" تجسس سے ممانعت کا حکم افراد اور اسلامی حکومت دونوں کے لیے ہے۔ ایک مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ دوسروں کے جن حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے، ان کی کھوج کرید کرے اور پردے کے پیچھے جھانک کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ کس میں کیا عیب ہے۔ اسی طرح اسلامی حکومت میں نہی عن المنکر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ جاسوسی کا ایک نظام قائم کر کے لوگوں کی چھپی ہوئی برائیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے اور ان پر سزا دے۔ صرف ظاہری برائیوں کے خلاف قانون استعمال کرنا چاہیے، اور پوشیدہ خرابیوں کے لیے وعظ و نصیحت، تعلیم و تلقین سے کام لینا ہوگا۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں جو مشہور واقعہ ہے کہ وہ کسی کے گھر کے اندر داخل ہو کر کسی ناروا کام پر ٹوکنے لگے تو صاحبِ خانہ نے جواب دیا کہ آپ میرے گھر میں بلا اجازت داخل ہوئے اور آپ نے جاسوسی سے کام لیا اور دروازے کے بجائے دیوار پھلانگ کر آئے تو حضرت عمرؓ نے اسے معاف کیا۔ اسی طرح ایک حدیث شریف میں آیا ہے۔ "اے وہ لوگو! جو زبانی ایمان کا دعویٰ کرتے ہو اور ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہے۔ لوگوں کے رازوں کے پیچھے نہ پڑو، کیونکہ جو لوگوں کے رازوں اور عیبوں کے پیچھے پڑ گیا، اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اسے اپنے گھر میں رسوا کر دیتا ہے۔" اور دوسری حدیث میں آیا ہے "جب کسی کے بارے میں تمھیں بدگمانی ہو جائے تو اس کی تحقیق نہ کرو۔" اور ایک حدیث میں آیا ہے۔ "جس نے کسی کے عیب پر پردہ رکھا گویا کہ ایک مردہ بچی کو زندہ کیا۔"

۹- منافقین کے ساتھ سخت رویہ رکھنا۔

سورۃ التوبہ آیت نمبر ۷۳ میں فرمایا۔ "اے نبی ﷺ! کفار اور منافقین دونوں کا پوری قوت سے مقابلہ کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔" اس سے مراد لڑائی نہیں ہے بلکہ ان کو اسلامی سوسائٹی میں زہر پھیلانے سے روکنا ہے۔" انہیں کھلم کھلا بے نقاب کیا جائے، ان کو ملامت کیا جائے، سوسائٹی میں عزت و احترام کا کوئی مقام نہ دیا جائے۔

حدیث شریف میں آیا ہے۔ "جو شخص کسی صاحب بدعت کی تعظیم و تکریم کرتا ہے، وہ دراصل اسلام کی عمارت ڈھانے میں مددگار ہوتا ہے۔" معاشرت میں ان سے قطع تعلق ہو، جماعتی مشوروں سے انہیں الگ رکھا جائے، عدالتوں میں ان کی شہادت غیر معتبر ہو، عہدوں اور مناصب کا دروازہ ان کے لیے بند ہو، محفلوں میں انہیں کوئی منہ نہ لگائے، آبادی میں ان کا احترام نہ ہو، وقار نہ ہو اور غداری کی صورت میں مقدمہ چلا کر قرار واقعی سزا دی جائے۔

© rasailojaraid.com